

کہیں دیر نہ ہو جائے؟

ایک دن پہلے، شام کو ایک امریکی نژاد پاکستانی گھر تشریف لائے۔ حد درجہ لائق اور شائستہ انسان۔ ایئر فورس میں F-16 کے پائلٹ رہا۔ اسکے بعد سول سروس میں آ گیا۔ صرف محنت اور دیانت داری پر یقین رکھنے والا انسان اتنی مشکل نوکری نہ کر پایا۔ تین سال پہلے امریکہ چلا گیا۔ طویل عرصے کے بعد پاکستان آیا تو پاکستان بلکہ بالخصوص لاہور کے حالات دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ یقین ہی نہیں کر پایا کہ ریاستی گرفت اس درجہ کمزور ہو سکتی ہے۔

بتانے لگا کہ دو دن پہلے مال روڈ سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ دس بارہ نوجوان پوری سڑک کے درمیان کھڑے ہو کر ٹریفک کو بند کر رہے تھے۔ کچھ کے ہاتھ میں ڈنڈے تھے اور کچھ بالکل نہتے تھے۔ اتنی مصروف سڑک کے بند ہوتے ہی صرف چند منٹوں میں سینکڑوں گاڑیاں پھنس گئیں۔ نہ کوئی آگے جاسکتا تھا اور نہ ہی کوئی پیچھے مڑ سکتا تھا۔ اتفاق سے اسکی گاڑی پہلی قطار میں تھی۔ ایک درجن لوگ بڑی کامیابی اور آرام سے شہر کی سب سے اہم سڑک مکمل طور پر بند کر چکے تھے۔ یہ گورنر ہاؤس والا چوک تھا۔ یعنی ایک طرف گورنمنٹ ہاؤس اور دوسری طرف جیل روڈ جانے والی سڑک اور باغ جناح۔ حیرت اس لیے ہوئی کہ جہاں سڑک کو بند کروایا جا رہا تھا۔ اس سے چند قدم دور ڈھائی سو سٹاپ پولیس والے کھڑے ہوئے تھے۔ تمام آہنی ہیلمٹ اور حفاظت کے تمام لوازمات سے آراستہ تھے۔ پولیس والے اطمینان سے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ کوئی نظر اٹھا کر بھی ان بچوں کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا جو انکی عین ناک کے نیچے سڑک کو بند کر چکے تھے۔ صرف گاڑیوں والے نہیں، سینکڑوں سائیکل سوار بھی اس خواری میں شامل تھے۔ بچے، خواتین، بوڑھے اور نوجوان انتہائی بے بسی سے پولیس کی طرف دیکھ رہے تھے کہ شاید یہ آگے بڑھ کر مال روڈ کلیئر کروادیں۔ ہاں، اس ٹریفک کے اثر دہام میں تین ایسبولینس بھی پھنسی ہوئی تھیں۔ ان پر لال بتیاں تیزی سے گھوم رہی تھیں۔ سائرن بجا بجا کر راستہ مانگنے کی ناکام فریاد کر رہے تھیں۔ ایسبولینسوں کے اندر مریضوں کا کیا حال ہوگا، کوئی نہیں بتا سکتا۔ دوست نے بتایا کہ اس نے دور و دشریف پڑھنی شروع کر دی۔ گاڑی سے اتر کر بڑی تمیز سے روڈ بند کرنے والوں کو درخواست کی کہ محترم راستہ کھول دیجئے۔ میلوں لمبی لائن لگ چکی ہے۔ لوگوں کی کسمپرسی پر رحم کیجئے۔ دلیل پر مبنی گفتگو سن کر سڑک روکنے والوں نے تھوڑی دیر کے لیے راستہ کھول دیا۔ بتا رہا تھا کہ معاملے میں پورے ساڑھے تین گھنٹے صرف ہو گئے۔ اس سے ایک سادہ سوال کیا کہ کیا امریکہ کے جس شہر میں آپ رہتے ہیں۔ کوئی بھی عوام کو اس طرح تکلیف پہنچا سکتا ہے۔ سڑک بند کر سکتا ہے۔ اس نے ہنسنا شروع کر دیا۔ جواب تھا۔ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ سڑک تو کیا، کسی گلی کے اندر بھی زبردستی ٹریفک روک سکے۔ اسکے جانے کے بعد ساکت کرسی پر بیٹھا رہا۔ صرف یہ سوچتا رہا کہ ہم کتنے مشکل لوگ ہیں۔ نیک ترین کام سرانجام دینے کیلئے بھی لوگوں کے مصائب میں اضافہ کرنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

تین دنوں سے پورا لاہور مکمل طور پر بند ہے۔ فیروز پور روڈ، جیل روڈ، رنگ روڈ، ڈیفنس موڑ، چیئرنگ کراس اور دیگر اہم ترین شاہراہیں سکوت میں ہیں۔ موٹرویز پر ویرانی چھائی ہوئی ہے۔ پاکستان کے تمام بڑے اور چھوٹے شہر، کسی نہ کسی طور پر متاثر ہوئے ہیں۔

دس منٹ کی مسافت، ایک یا دو گھنٹے میں تبدیل ہو چکی ہے۔ لوگ گلیوں میں سے گھوم گھوم کر انتہائی دقت سے اپنے دفتر یا گھر پہنچتے ہیں۔ تمام سکول، کالج بند ہو چکے ہیں۔ اکثر لوگوں کی کوشش ہے کہ گھروں سے باہر نہ نکلیں۔ کم از کم، لاہور میں ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہر طرف ڈر اور خوف ہے کہ باہر نکلیں گے تو پتہ نہیں، کیا ہو جائیگا۔

سنجیدہ حلقے دعویٰ کر رہے ہیں کہ صرف ایک مذہبی جماعت نہیں، بلکہ پنجاب کی ایک سیاسی جماعت کے نوجوان کارکن بھی احتجاج میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ گلیوں، محلوں سے بچے بھی باہر نکل کر اس گروہ میں شامل ہو چکے ہیں۔ پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے افراد کہیں بھی موجود نظر نہیں آتے۔ آج صبح دفتر آتے ہوئے، تین ٹریفک پولیس والوں پر نظر پڑی۔ منجملہ ٹریفک سے کافی دور، ایک سگریٹ والے کی دکان پر کھڑے باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ لگ رہا تھا، چھٹیوں پر ہیں۔ لوگوں کی مشکلات سے انکا دور دور کا کوئی واسطہ نہیں۔ ٹریفک پولیس یا ریگولر پولیس کا ذکر چھوڑیے۔ انکے بس میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ موٹروے کی پولیس بھی کسی کی مدد کرنے سے مکمل طور پر قاصر ہے۔ ایک عزیز نے فیصل آباد سے لاہور آنا تھا۔ غلطی سے کہہ دیا کہ آپکو پتہ کر دیتا ہوں کہ موٹروے کھلا ہے یا بند۔ ہیلپ لائن 130 پر متعدد بار فون کیا۔ ایک بار بھی کسی آپریٹر نے فون اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔ یہ اس پولیس کا حال ہے جسے ہم زبردستی بین الاقوامی سطح کا درجہ دینے کیلئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ کسی کی مدد تو دور کی بات، انکی ہیلپ لائن درست اطلاعات فراہم کرنے کی استطاعت نہیں رکھتی۔ نااہلی اور کیا ہوتی ہے۔ عوام کی بے بسی اور کیا ہوتی ہے۔ پورا ملک جس عذاب سے گزر رہا ہے۔ اس سے کون باہر نکالے گا۔ اس پر بحث مکمل طور پر لاکھڑی ہے۔ تکلیف دہ سچ یہ ہے کہ ہمارے تمام ادارے کٹھن اور مشکل معاملات میں صرف اور صرف خاموش رہتے ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد جب معاملہ قدرتی اصولوں کے تحت حل ہونے لگتا ہے تو چھلانگ مار کر داسمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معذرت سے عرض کرتا ہوں، ایک کمزور ریاست، اتنا بھی نہیں کر سکتی کہ اپنے شہریوں کی جان اور مال کی حفاظت کی ضامن بن سکے۔ یہ کسی ایک حکومت یا ادارے کی ناکامی نہیں بلکہ اجتماعی ناکامی ہے۔ کسی کے پاس ان مشکل معاملات کا جواب نہیں ہے۔

جوہری نکتے کی طرف آتا ہوں۔ ناموس رسولؐ ہر مسلمان کے ایمان کا بنیادی جزو ہے۔ اسکے بغیر کوئی انسان، مسلمان نہیں ہو سکتا۔ حرمت رسولؐ پر کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں دی جاسکتی۔ ہماری قوم کے ہر مسام میں عشق رسولؐ شامل ہے۔ اس پر کوئی بحث نہیں ہے۔ مگر آسیہ بی بی کا فیصلہ تو سپریم کورٹ نے دیا ہے۔ اس پر نظر ثانی کا قانونی حق موجود ہے۔ ثاقب نثار صاحب نے خود کہا ہے کہ اکثر حج حضرات، عدالت میں بھی درود شریف کا ورد کرتے رہتے ہیں۔ درست ہے کہ آسیہ بی بی کا کیس انتہائی اہم ہے۔ مگر کیا چیف جسٹس کی وضاحتوں پر غور نہیں کرنا چاہیے۔ کیا حج صاحبان کو واجب القتل قرار دینا، فوج میں بغاوت کے متعلق فتویٰ دینا، واقعی درست اقدام ہیں؟ ہمارے جدید علماء اکرام کو ان نکات پر کھل کر دینی اعتبار سے بات کرنی چاہیے۔ رہنمائی فرمانی چاہیے کہ عوامی سطح پر ہمارا کیا رد عمل ہو۔ یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ملک کو منجمد کرنے سے کیا ہمیں فائدہ ہو رہا ہے یا نقصان؟ بین الاقوامی سطح پر تمام ممالک ہمیں غور سے پرکھ رہے ہیں۔ ہمارے طرز عمل پر بی بی سی، سی این این اور ہر بین الاقوامی چینل پر بحث ہو رہی ہے۔ ہمارے ملک کو ایک پُر تشدد اور قدامت پسندی پر مائل علاقہ گردانا جا رہا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر ہم ایک انتہائی مشکل صورتحال سے دوچار ہیں۔ علماء اکرام کو چاہیے کہ ہماری مکمل

طور پر رہنمائی فرمائیں۔ لوگوں کی تکالیف کا مداوا کریں۔ ٹریفک جام کرنے کی بجائے لوگوں میں امن کی جوت جگائے۔ وہ امن، جسکے غائب ہونے سے ملک، شام، عراق اور لیبیا بن جاتے ہیں۔

اس نکتے کا ایک متضاد پہلو بھی ہے۔ سیکولر اور آزاد خیال طبقہ سوشل میڈیا پر طوفانِ بد تمیزی برپا کر رہا ہے۔ انکارویہ انتہائی منفی ہے۔ دلیل کی بنیاد پر بات کرنے کی بجائے وہ سیدھے سیدھے ہمارے ایمان پر حملہ کر رہے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس میں ہمسایہ ملک کے غیر مسلم شہری اور پُراسرار شناخت رکھنے والے افراد سر فہرست ہیں۔ ٹویٹر پر یہ لوگ حد درجہ سرگرم ہیں۔ سوشل میڈیا پر ان قماش کے لوگوں نے قیامت برپا کر رکھی ہے۔ سیکولر لوگ سپریم کورٹ کے فیصلے پر رطب السان ہیں۔ فیصلے کی آڑ میں لوگوں میں انتشار پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ آزادی اظہار کا فلسفہ استعمال کرتے ہوئے مکمل طور پر جانبدارانہ رویہ استعمال کر رہے ہیں۔ اس طبقے کی بھی پُر زور مذمت کرنی چاہیے۔ انکے عزائم پر بھی دلیل سے بحث ہونی چاہیے۔ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ طبقہ کسی بھی طرح انکا خیر خواہ نہیں ہے۔

بات کو سمیٹتے ہوئے عرض کرونگا، کہ ناموسِ رسولؐ پر کوئی مسلمان سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔ یہ ہماری فکری احساس کا مرکزی نکتہ ہے۔ مگر ٹھنڈے دل سے فیصلے کرنے چاہیے۔ حکومت اور دیگر اداروں کو سر جوڑ کر اس مہم جوئی کے اکابرین کے ساتھ بیٹھنا چاہیے۔ آپس میں فاصلوں کو ہر قیمت پر کم کرنا چاہیے۔ لوگوں کی مشکلات کو ہر حد تک کم سے کم کرنا چاہیے۔ پُر امن احتجاج کرنا ہر جماعت کا حق ہے۔ اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے مقامات مختص کرنے چاہیے جہاں لوگ اپنی فکر کے حساب سے احتجاج کریں۔ متبادل ٹریفک کا ایک مربوط نظام قائم کرنا چاہیے۔ تاکہ عام لوگوں کو پہلے سے معلوم ہو کہ کونسی سڑک ٹریفک کیلئے بند ہے اور کون سی سڑک کھلی ہے۔ تمام فریقین کو انتہائی اطمینان اور کھلے دل کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت کرنی چاہیے۔ اس مسئلہ کا پُر امن حل جلد از جلد نکالنا چاہیے۔ اس معاملہ کو ہر قیمت پر بڑھنے سے روکنا چاہیے۔ اس بات کا امکان بھی ہے کہ کوئی تیسرا اجنبی دشمن فریق اس صورتحال کو اس درجہ خراب کر دے کہ معاملات ہر کسی کے ہاتھ سے نکل جائیں۔ کہیں دیر نہ ہو جائے؟

راؤ منظر حیات